ضیاءالدین لاہوری *

سر سید بیچارہ کیوں قابلِ گردن زدنی ؟

روزنامہ ''دن'' میں جناب پیام شاہجہان پوری نے اپنے کالموں میں ''سر سید احمد خان کا گناہ'' کے زیرِ عنوان ایک اہم نقطہ نظر پیش کیا ہے، اگر اسے گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ ان لوگوں کے لئے، جو سرسری مطالعے کی عادت رکھتے ہیں۔ برین واشنگ کی ایک دانستہ کوشش محسوس ہوتی ہے جبکہ تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے نزدیک ان کے نتائج محض الفاظ کی ہیرا پھیری ہیں۔ موصوف اس سے پیشتر بھی متعدد بار اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ان کی مقالہ نما تحریر کا خاص پہلوان کا تحقیقی انداز ہے۔ انہوں نے ایسے فتوے پیش کئے ہیں۔ جن میں ایک مخصوص ٹولے کے قوم دشمن کرتوت بظاہر جائز دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل وہ اپنی طرف سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزی حکومت کی مخالفت شرعاً حرام تھی۔ دوسرے الفاظ میں برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی خاطر انگریزوں کے خلاف جو قربانیاں دیں وہ ان کا ایک ناجائز فعل تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف بات کرنے سے گریزاں ہیں ورنہ ان کی نام نہاد تحقیق سے واضح طور پر یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں پاکستان کا قیام، جس کا حصول بہر حال انگریزی حکومت کی مخالفت کے بغیر ممکن نہ تھا، ناجائز ذریعے سے عمل میں آیا، راقم ان کی تحریر کو حسب سابق نظر انداز کر دیتا مگر انہوں نے جو آخر میں سوالیہ چیلنج کر ڈالا کہ کیا کسی کے پاس ان حقائق کا جواب ہے؟'' اس نے مجبور کیا کہ موصوف کی مبینہ تحقیقی کاوشوں کا اصل پس منظر پیش کیا جائے تاکہ سادہ لوح قارئین چیلنج کا جواب نہ پا کر ان کی باتوں کو کہیں حقیقت نہ سمجھ بیٹھیں۔ اخباری کالموں کی تنگ دامنی پیش نظر ہے، جواب میں اختصار کے انتہائی کوشش کے باد جود حقائق کی وضاحت میں ہلکی سی طوالت مجبوری ہے (گو تشنگی پھر بھی محسوس ہوگی کیونکہ محدود ضمانت کے باعث مسئلے کے ہر پہلو پر بحث ممکن نہ ہو سکے گی) ورنہ راقم کے پاس اس قدر مواد موجود ہے کہ موصوف کے زیر تسلط جرائد کے بار بار شائع ہونے والے 1857 کا جہاد نمبر کے جواب میں کئی گناہ ضخیم نمبر تیار کئے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات غور طلب ہے کہ موصوف کو اس دور میں جبکہ برصغیر میں انگریزوں کی غاصب حکمرانی کا نظریہ قبول کیا جا چکا ہے۔ اور 1857 ء کی جدوجہد ''جنگ آزادی'' تسلیم کی جاتی ہے، انگریزوں کی حکومت کو جائز ثابت کرنے کی اب کیا ضرورت پیش آ گئی۔ وہ اپنے نظریے کے جواز میں مسلمانوں کی مختلف فرقوں کے علماء کے

---

* الحقائق، ۶/۱۷، آصف بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فتاویٰ پیش کرتے ہیں اور ہوشیاری یہ دکھاتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل ادوار کے مختلف حالات کے پس منظر میں تحریر کئے گئے فتووں کے نتائج کو زبردستی پیچھے لے جا کر 1857ء پر منطبق کر دیتے ہیں۔ وہ اس جدوجہد کو ''فساد'' قرار دینے والوں کی شان میں پورے جوش سے رطب اللسان ہیں اور ان کے لئے بڑے معزز القابات تحریر کرتے ہیں۔ وہ فتوے دینے والے علماء کو حوالہ دیتے ہوئے انہیں ممتاز دینی شخصیت، جید عالم، اکابرین، فاضل علماء، بزرگ، شیخ الکل اور بے نفس عالم وغیرہ وغیرہ خطابات سے نوازتے ہیں۔

موصوف نے اپنے مسلک کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ممانعت کے حق میں جن نکات کی نشاندہی کی ہے ان کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بحث کی وسیع گنجائش موجود ہے وہ ان فتوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان حکومت انگریزی سے وفاداری کا عہد و پیمان کر چکے تھے اس لئے ان کی مخالفت کسی صورت نہیں کر سکتے تھے۔ کون سا عہد و پیمان؟ کس نے کس حیثیت میں یہ عہد و پیمان کیا ہے؟ کہاں کوئی معاہدہ ہوا؟ اس معاہدے کی شرائط کیا تھیں؟ کیا یہ انتظامی نوعیت کی معاہدہ تھا یا اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ ہندوستانی مسلمان انگریزوں کو باضابطہ حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وہ ان کے وفادار رہیں گے؟ بفرضِ محال اگر کسی معاہدے کی خبر گھڑ بھی لی جائے تو کیا انگریزوں نے اس معاہدے کی پاسداری کی یا حدود سے تجاوز کیا؟ اور کیا حدود تجاوز کرنے پر معاہدے برقرار رہتے ہیں؟ پھر جن ادوار میں متذکرہ فتوے لکھے گئے، کیا ان میں کوئی معاہدہ زیرِ عمل تھا؟ انگریزوں کے مقابلے میں فریقِ ثانی کون تھا اور کس بنیاد پر وہ فریق برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حقدار قرار پایا تھا؟ کیا استفسار کرنے والوں اور فتوے دینے والوں نے اپنے سوال و جواب میں مسئولہ نکات کو واقعی مدِ نظر رکھا؟ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ''انگریزی حکومت اور رعایا کے درمیان ایمان و پیمان موجود ہے'' بات نہیں بن جاتی۔ ان تمام نکات پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر موجودہ نشست میں ان تمام باتوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ ماضی کے تصوراتی عہد و پیمان کی بات کریں تو کل کلاں اگر ہماری کوئی اقلیت خدانخواستہ ہمارے کسی دشمن سے اپنی غلامی کا کوئی معاہدہ کر لے تو کیا پاکستانی مسلمانوں پر اس کی پابندی واجب ہو جائے گی؟

ایک بات راقم کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ سکی کہ موصوف ایک خاص مسئلے کے ضمن میں سر سید کے دفاع میں تو بہت فعال دکھائی دیتے ہیں مگر اس بحث میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام تک بھی نہیں لیتے حالانکہ سر سید کی طرح مرزا صاحب بھی بہت مطعون ہیں۔ وہ بھی تو اس معاملے میں اسلام کا نام لے کر وہی کچھ کہتے رہے جو سر سید نے فرمایا تھا مگر موصوف ان کے دفاع میں آگے نہیں آتے۔ اسے تجاہل عارفانہ کا نام دیا جائے یا کوئی خاص مصلحت؟ ایک ہی مسلک کے نہایت ہی قابلِ احترام علما کے متضاد فتوؤں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں البتہ کسی فتوے کے نتائج سے اتفاق یا اختلاف سے قطع نظر یہ امر مسلّم ہے کہ موصوف کے پیش کردہ فتوؤں کی عبارت ان مغلظات اور لعن طعن سے یکسر خالی ہے جو سر سید اور مرزا قادیانی کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ موصوف ''1857ء کا جہاد'' یا ''سر سید احمد خان کا گناہ'' کے

عنوانات کے تحت جب بار بار انہی فتوؤں کا سہارا لیتے ہیں تو یہ شک قوی ہو جاتا ہے کہ سرسید کے دفاع کی آڑ میں اصل مقصود مرزا غلام احمد قادیانی کو بچانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اشخاص اس مسئلے پر ''متفق علیہ'' اور حیران کن حد تک ہم آہنگ وہم زبان تھے۔ اس موضوع پر ان کے اقوال زبان و بیان کی بندش اور طرز تحریر کے اعتبار سے اس قدر یکساں ہیں کہ بعض اوقات ان کی بناوٹ ایک ہی کارخانے کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بات اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ موصوف کے القابات یافتہ علما' فتوؤں کے مقابلے میں ان دونوں کی یک زبانی کے نمونے پیش نہ کیے جائیں جن کی پردہ پوشی کی خاطر لوگ تحقیق کے نام پر بڑے پُرفریب جال بنتے ہیں۔ 1857ء کے موضوع پر ان حضرات کے اقوال کا ایک خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

قول سرسید: ہر ضلع میں پاپی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا اعلان ہوا..........اس زمانہ مین جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا ہے ایسے خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ اور کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا (اسباب سرکشی ہندوستان' صفحہ۶۔۷)

قول مرزا قادیانی: 1857ء میں مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا (ازالہ اوہام 'صفحہ۷۲۲)

قول سرسید: اس ہنگامہ میں نہایت بدمعاش اور جاہل بے علم آدمی' جو مولوی کے نام سے مشہور تھے'........ ان کو تمام اخباروں مین اس طرح پر چھایا گیا جیسا کہ کوئی سچ مچ کا مولوی اور مسلمانوں کا بڑا عالم اور بڑا خدا پرست ہے .... حالانکہ وہ لوگ محض جاہل اور بے علم اور واہی آدمی تھے۔ کوئی مسلمان ان کو اچھا نہیں جانتا تھا اور ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں میں مذہب کی باتوں میں مقتدا اور پیشوا اور مولوی نہ تھا۔ جس قدر کہ اچھے اور خدا پرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔ (لوئل محمڈنز آف انڈیا (۲) صفحہ۱۰)

قول مرزا قادیانی: 1857ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلا اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان' جو باعلم اور باتمیز تھا' ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔ (براہین احمدیہ (۳) صفحہ۶۸)

قول سرسید: اس ہنگامہ میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی...... ہاں' البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے کے اور جاہلوں کے بہکانے کو اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزادگیوں میں سے ایک حرامزادگی تھی' نہ واقع میں جہاد (اسباب سرکشی ہندوستان' صفحہ۷)

قول مرزا قادیانی: جب ہم 1857 کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتوؤں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مہریں لگادی تھیں' کہ انگریزوں کو قتل کرنا چاہیے' تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جنہیں نہ رحم تھا نہ عقل' نہ اخلاق نہ انصاف' ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔ (ازالہ اوہام' صفحہ ۷۲۳)

قولِ سرسید: یہ ہنگامہ فساد جو پیش آیا صرف ہندوستان کی ناشکری کا وبال تھا........تم نے کبھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہمیشہ ناشکری کرتے رہے اس لئے خدا نے اس ناشکری کا وبال تم پر ڈالا۔ (سرکشی ضلع بجنور، ص ۱۴۱۔۱۴۲)

قولِ مرزا قادیانی 1857ء میں مفسدہ پرداز لوگوں کی حرکت کو خدا نے پسند نہیں کیا اور آخر طرح طرح کے عذابوں میں وہ مبتلا ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے محسن اور مربی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا۔ (تحفہ قیصریہ، صفحہ ۱۱)

اس کے علاوہ سرسید نے اپنی تصانیف میں بار بار مجاہدین حریت کو مفسد، حرامزادہ، نمک حرام، غنیم، دشمن، غادر، کافر، بے ایمان، بدذات بدمعاش وغیرہ ناموں سے پکارا۔ میں یہاں پر محترم موصوف ہی کے انداز میں یہ دہائی دینے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا متذکرہ علماء کے فتوؤں کی زبان بھی ایسی گندی تھی؟ لوگو! انصاف کرو، انصاف!

موصوف کالم نگار ایک جگہ فرماتے ہیں: ''یہی موقف سرسید احمد خان کا تھا کہ سلطنت برطانیہ میں مسلمان امن وامان کی زندگی گزار رہے ہیں اور انگریزی حکومت ان کی دینی و معاشرتی امور میں کوئی مداخلت نہیں کرتی اس لئے انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے موصوف نے بددیانتی سے کام لیا ہے، ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ سرسید نامکمل ہو کیونکہ سرسید اس معاملے میں مسلمانوں کے خلاف نہایت سخت رویہ رکھتے تھے۔ ایڈیٹر پایونیئر کے نام ایک مکتوب میں انہوں نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ

''اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ جائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کریں'' (مکاتیب سرسید احمد خان، ص ۶۶)

اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ اس ملک میں جہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو اور اگر بوجہ اسلام ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی، یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔'' (تفسیر القرآن (۱) صفحہ ۲۳۹) غور فرمائیں کہ انگریز ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ دست اندازی کریں بلکہ بوجہ اسلام ان پر ظلم کریں تو بھی سرسید مسلمانوں کو اس قدر بے غیرت بن جانے کی کوئی دلیل ملتی ہے؟ لوگو! انصاف کرو، انصاف!

آخر میں اس قدر عرض کروں گا کہ موصوف خود علماء کے فتوؤں کی عبارت کا سرسید کی تحریروں سے موازنہ کریں (سرسید کے ''جاسوسی کارناموں'' کا میں نے ابھی کوئی ذکر نہیں کیا) اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ کس نے کس حد تک قوم دشمنی یا غداری کا ارتکاب کیا۔ موصوف بار بار اس بات کا گلہ کرتے ہیں کہ صرف ''سرسید غریب کیوں'' ''قابل گردن زدنی؟'' تو عرض ہے کہ اس قبیل میں مرزا قادیانی، میر جعفر، میر قاسم بھی شامل کئے جاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ موصوف کے بیان کردہ شرعی تقاضوں کی روشنی میں سرسید سے کہیں زیادہ انگریزوں کے ''باعمل'' وفادار ثابت ہوئے تھے کیا ایسی صورت میں موصوف پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ان اشخاص کے بھی دفاع کا فریضہ انجام دیں، بھرپور کالم لکھیں اور ''ثواب دارین'' حاصل کریں؟